بحث و نظر

جماعتِ اسلامی اور سیاستِ پاکستان

۱۔ جناب جاوید انصاری صاحب مدیر معاون یونیورسل میسیج۔ کراچی

۲۔ جناب فتحی عثمان چیف ایڈیٹر عریبیا۔ لندن۔

۳۔ مدیر ترجمان القرآن۔

ماہنامہ عریبیا کے تازہ شمارے (ماہ ربیع الاوّل ۱۴۰۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۵ء) میں جناب جاوید انصاری نے جماعت اسلامی کی ایک حامیانہ تصویر پیش کی ہے۔ اس پر جناب فتحی عثمان چیف ایڈیٹر عریبیا نے بطورِ خاص تبصرہ کیا ہے۔ جماعت کو انقلابیت سے ہٹ کر "دعوۃ" کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اِس سلسلے میں مدیر ترجمان القرآن نے بھی محسوس کیا کہ کچھ کہنا ضروری ہے۔ مجھے اپنی رائے مرتب کر کے براہ راست "عریبیا" کو بھجوانی ہے، مگر اس وقت اس کا ترجمان القرآن میں آنا ضروری ہے۔

میری سہولت کے لیے جناب پروفیسر آسی ضیائی رام پوری اور برادرِ عزیز عبدالہادی احمد دونوں نے متذکرہ مضامین کے اُردو تراجم فراہم کر دیے تاکہ رسالے کی تیاری میں تاخیر نہ ہو۔ اُمید ہے کہ یہ تحریریں قارئین کے لیے دلچسپ ہی نہیں، بہت مفید بھی ہوں گی۔

(ن۔ ص)

(۱)

جناب جاوید انصاری مدیر معاون "میسیج" کراچی

گزشتہ برسوں میں جماعتِ اسلامی پاکستان، تنقید و تذلیل کی کئی مہموں کا موضوع رہی ہے۔

اِس مضمون کا مقصد ان نکتہ چینیوں کا جائزہ لینا اور ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۵ء تک کے کٹھن دَور میں جماعت کی پالیسیوں کا معقول اور متوازن دفاع کرنا ہے۔

مسٹر بھٹو نے جس جمہوریت کو چلتا کر دیا تھا اُس کی بحالی کے لیے تحریک میں جماعت پیش پیش تھی۔ مگر اس تحریک میں شامل چند بے صبر عناصر جلد ہی الگ ہو گئے اور فوج کو پاکستان کی قومی سیاسی زندگی پر قبضہ مستحکم کر لینے دیا گیا۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۹ء تک کے عرصے میں تحریک میں شامل جماعتوں نے بالعموم فوج سے مفاہمانہ رویّہ اختیار کیے رکھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ نئی فوجی انتظامیہ نے وہ خطیبانہ سیاسی نعرہ اپنایا جو بہت دلکش تھا۔ جنرل ضیاء نے پاکستان میں اسلامی سیاسی نظام قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ انھوں نے علامتی اصلاحات اور معاشی پالیسیاں نافذ کیں، جن کا مثبت اثر ہوا، اور انھوں نے جلد ہی نمائندہ حکومت بحال کرنے کا بھی وعدہ کیا۔

اگست ۱۹۷۸ء میں جو سول انتظامیہ قائم کی گئی اس میں دو مقاصد کے پیش نظر جماعت بھی شامل ہو گئی۔ اوّلاً وہ اس طریق پر حاوی ہو جانا چاہتی تھی جو پارلیمانی جمہوریت کی بحالی پر منتج ہو۔ ثانیاً وہ ایسی قومی پالیسی اور اصلاحات بروئے کار لانا چاہتی تھی جو پاکستان میں اسلامی نظامِ معاشرت تعمیر کرنے کی راہ ہموار کر سکیں۔ ۹ ماہ کا وہ عرصہ جب جماعت حکومت میں شامل تھی، نہایت مایوس کن ثابت ہوا۔ ہم میں سے جو صاحبان وزارتوں میں آئے وہ جنرل ضیاء اور اس کے فوجی حلیفوں کے اصل عزائم سے باخبر ہو گئے۔ یہ واضح ہو گیا کہ فوجی حکومت معاشرے کو اسلامی بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ اُس کا تو مقصد اسلام کو اُسی طرح استعمال کرنا تھا جیسے بھٹو سوشلزم کو اور فیلڈ مارشل ایوب خان قومیت کو استعمال کر رہے تھے۔ یوں اسلامی بنانا محض معاشرے کو سیاست سے الگ رکھنے اور فوجی آمریت کو دوام بخشنے کا ایک ذریعہ تھا۔ جماعت کی وزارتوں نے ۱۹۷۸ء سے ۱۹۷۹ء تک کے عرصے میں جو پالیسیاں تجویز کیں اُن کی بڑی اکثریت کو صدر اور اُس کے مشیروں نے مسترد کر دیا۔

۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۴ء تک جماعت فوجی انتظامیہ کی پالیسیوں کی کڑی مخالف رہی۔ ان پالیسیوں میں کھلے تضادات سے جماعت کی قیادت کو تشویش تھی تاہم بعض رفقاء کی دلیل یہ تھی کہ صدر خود تو ایک مخلص مسلمان ہے مگر سول انتظامیہ اس کی پالیسیوں کو ناکام بنائے دے رہی ہے۔ اس طرح ضرورت تھی کہ جس اسلامی فکر کی نمائندگی کا صدر کو دعویٰ تھا اُس کی تائید کی جائے اور ان پالیسیوں کے نفاذ کے لیے ایسے ادارے اور

طریقے وضع کیے جائیں جو نوکر شاہی کو قابو میں رکھیں۔

ارکانِ جماعت کی بھاری اکثریت نے اس حکمتِ عملی کی توثیق کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدر ضیاء کو اس سال قومی استصواب میں جماعت کی حمایت حاصل رہی۔ اس استصواب سے حکومت کے "اسلامیانے" کے لیے کیے جانے والے اقدامات کی توثیق مطلوب تھی۔ مگر استصواب سے کچھ ہی قبل جنرل ضیاء نے ایک ٹیلی وژن نشریے میں کہا کہ اس توثیق کا مطلب وہ یہ لیں گے کہ انہیں مزید پانچ سال تک پاکستان کے صدر بنے رہنے کا پروانہ مل گیا۔ جماعت جنرل ضیاء کی حمایت پر رضامند ہو گئی، کیونکہ امیر جماعت میاں طفیل محمد سے ایک ملاقات میں صدر نے وعدہ کیا کہ وہ شریعت کو ملک کا بالادست قانون بنائیں گے، ۱۹۷۳ء کا دستور تمام و کمال بحال کر دیں گے اور غیر مشروط طور پر مارشل لا اٹھا لیں گے۔

جماعت کے جو رہنما ۱۹۷۷ء تا ۱۹۷۹ء سول انتظامیہ میں وزیر رہ چکے تھے انھیں صدر کی وعدہ خلافی پر کوئی تعجب نہ ہوا۔ وہ چھ سال پہلے ہی جان گئے تھے کہ فوجی قیادت، افسر شاہی کے اختیارات گھٹانے یا عوامی نمائندگی کے لیے اسباب پیدا کرنے کا، جس سے افسروں کو قابو میں رکھا جا سکے، کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ ان رہنماؤں کا کہنا تھا کہ جماعت حکومت کی نافذ کردہ "نفاذِ اسلام کی اسکیم" کا پول کھول دے اور عوام کو بتا دیا جائے کہ یہ محض پاکستان پر فوجی آمریت جاری رکھنے کا ایک پردہ ہے۔

وسط ۱۹۸۵ء میں جماعت نے فیصلہ کیا کہ قومی اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں حزبِ اختلاف کا کردار ادا کرے، نیز اس نے اس کے لیے بھی مساعی تیز کر دیں کہ ایک وسیع بنیاد سیاسی پروگرام پر مبنی قومی اتحاد قائم کرے۔ اس پروگرام کے کلیدی عناصر یہ ہیں:

— ۱۹۷۳ء کے دستور کی تمام و کمال بحالی اور پاکستان میں اسلامی جمہوریت کا قیام۔
— پاکستان کی قومی سالمیت کا تحفظ اور ۱۹۷۳ء کے دستور کے عطا کردہ چھوٹے صوبوں کے حقوق کی بحالی۔
— جہادِ افغانستان کی حمایت جاری رکھنا۔

جماعت کو فوجی حکومت سے تعاون پر بھی ہدفِ نکتہ چینی بنایا گیا ہے اور اس کی مخالفت کے لیے ایک قومی سیاسی اتحاد قائم کرنے کی کوشش پر بھی۔ میرا یہ منشا نہیں کہ ان میں سے کسی حکمتِ عملی کا دفاع کروں۔ میں جس نکتے پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلامی اقدار اور اسلامی نظریۂ سیاسی کے تناظر میں یہ دونوں حکمتیں بالکل جائز ہیں۔ کسی ایک سیاسی تدبیر کا انتخاب سیاسی طور پر مہنگا، بلکہ شاید بہت ہی مہنگا

پڑ سکتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ بطور ایک اسلامی انقلابی جماعت کے، جماعت اسلامی کے لیے یہ جائز نہیں۔

ایک اسلامی انقلابی پارٹی ہونے ہوئے جماعت سے وقتاً فوقتاً سیاسی غلطیاں بھی ہوسکتی ہیں جماعت نے اپنے ارکان اور کارکنوں کی اخلاقی و روحانی تربیت پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ کچھ کارکنوں میں دنیا کی طرف میلان پیدا ہوچلا ہے اور اسلامی کام سے اُن کا رویّہ پیشہ وارانہ سا بن گیا ہے۔ اس کا نتیجہ پارٹی ڈسپلن ڈھیلا پڑ جانے اور پاکستانی معاشرے پر جماعت کے کام کا اخلاقی اثر ہلکا ہوجانے کی صورت میں رُونما ہوا ہے۔

ششدہ کی تحریک میں جو فوائد حاصل ہوئے تھے، جماعت انہیں اختیار کرنے -INSTITUTION -ALISING میں کامیاب نہ ہوسکی۔ مزید برآں، انتخابی سیاست پر زیادہ توجہ دینے کے باعث سماجی اور تعلیمی کام، جو جماعت نے اپنے نقشے میں رکھے تھے، اُن کی طرف سے بھی بے اعتنائی برتی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان کے شہروں اور قصبوں میں عوامی بنیاد قائم کرلینے کے بہت سے مواقع جماعت نے کھودیے۔ سب سے بڑھ کر یہ امر نقصان دہ ہوا کہ انقلابی نظریے کے فروغ کی طرف ناکافی توجہ دی گئی۔ بہت سے پالیسی اقدامات بیرونی محرکات کے فوری (ADHOC) تقاضوں کے تحت عمل میں آئے۔

جماعت کو شدید خطرے کا سامنا ہے کہ اس کی نگاہوں سے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے عمل کا مربوط منظر اوجھل نہ ہوجائے اور وہ اس عمل کو دوسروں کے سامنے آشکارا کرنے کی صلاحیت کے لحاظ سے کوتاہ ثابت ہو۔ اگر ایسا ہوگیا تو پھر عملیت اور تجربیت ہی پارٹی کے بنیادی اصول بن کر رہ جائیں گے۔

جماعت کو جو ناکامیاں ہوئیں اُن کی وجہ سے کتنے ہی رفقا کو مایوسی ہوئی اور کچھ جماعت سے نکل بھی گئے، مگر انہیں پاکستان کی لادینی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے قابل کوئی اور پلیٹ فارم تیار کرنے میں ناکامی ہوئی، بلکہ اکثر نے تو یہ کوشش ہی نہیں کی۔ جماعت اسلامی ہی ملک میں وہ تنہا سیاسی اور سماجی قوت ہے جو پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کے لیے پائیدار تحریک چلانے کی اہل ہے۔
یہ اس لیے کہ مولانا مودودیؒ کا پیش کردہ انقلابی نظریہ قطعی درست ہے اور آج کی مسلم دنیا میں نظریاتی اور

سماجی حالات میں انتہائی موزوں بیٹھتا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل کے قضیوں میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

— نوآبادیاتی استعمار کے تحت مسلم معاشروں میں باقاعدہ طبقہ بندی (FUNCTIONAL DISJUNCTURE) نمایاں ہے جو حکمران گروہ کی سماجی علیحدگی پسندی میں نظر آتا ہے، اور یہ طبقہ اصلاً بیرونی استعمار کی حمایت کے بل پر سیاسی اقتدار پر قابض ہے۔

— ان معاشروں کے اسلامی کردار کی بحالی کا تقاضا ہے کہ ان زبردستی کے سیاسی دھرماتماؤں کو بے دخل اور منتشر کردیا جائے اور منظم مسلم طاقتوں کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار مستحکم کردیا جائے۔

— مسلم ممالک میں اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کا واحد پائیدار آلہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہی ہوسکتی ہے۔ ایسی پارٹیاں اپنے سماجی اثرات کو سیاسی اقتدار میں بدل دینے ہی سے غرض رکھیں نہ کہ جزوی اصلاحات سے۔

یہ امر کہ جماعتِ اسلامی ایک اسلامی انقلابی پارٹی ہے، دو باتوں سے ظاہر ہے۔ قیام پاکستان ہی سے یہ جماعت پاکستانی سیاست میں فعال رہی ہے۔ وہ جزوی اصلاحات پر کبھی مطمئن نہیں ہوئی۔ بلکہ اپنی تمام سرگرمیاں پاکستان میں اسلامی اصولِ سیاست و مدنیت کی تعمیر کے بنیادی کام میں صرف کرتی رہی ہے — ۱۹۵۳ء میں، ۱۹۶۲ء میں، ۱۹۷۱ء میں اور ۱۹۷۷ء میں پاکستان کا اسلامی تشخص منوانے اور جمہوریت بحال کرانے والی تمام قومی تحریکوں میں مرکزی کردار جماعت ہی کا رہا ہے۔ ۱۹۸۳ء سے ایم۔ آر۔ ڈی کے تجربے نے ثابت کردیا ہے کہ پاکستان میں بحالی جمہوریت کی کوئی قومی تحریک، جماعت کی فعال شرکت کے بغیر نہیں چل سکتی۔ آج جماعتِ اسلامی ہی پاکستان کی وہ واحد قومی جماعت ہے جو ایسی کوئی قومی تحریک منظم کرسکتی ہے جو عزم و فداکاری کی عملی طاقت بھی رکھتی ہے اور ایسی قیادت بھی جو ملک کے قومی اور اسلامی مفادات کو ذاتی مفاد پر فوقیت دینے کی اہل ہے۔

قربانیاں دینے کی اعلیٰ صلاحیت رکھنا جماعت کی قیادت کا ہمیشہ سے نمایاں وصف رہا ہے۔ قیادت کے اندر پالیسی کے مسائل پر اختلافات نے جماعت کو ہمیشہ تقویت ہی بخشی ہے۔ گذشتہ سالوں میں میاں طفیل محمد اور پروفیسر غفور کے مابین پالیسی تناظروں میں اختلافات پر بہت سے ہمدردوں کو تشویش ہوئی بعض مخالفین نے اس پر خوش ہوکر جماعت کی یقینی شکست و ریخت کی پیش گوئیاں بھی کیں۔ مگر جماعت کے اندر ان میں سے کسی رہنما نے بھی مایوسی ظاہر نہ کی۔ میاں طفیل محمد ایک نہایت محبوب امیر ہیں۔ جنہوں نے